9/مارچ 2019ء کو جماعت احمدیہ برطانیہ کے سولھویں نیشنل پیس سمپوزیم کے موقع پر
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے معرکہ آرا صدارتی خطاب کا اردو ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، معزز مہمانان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہر سال جماعت احمدیہ مسلمہ اس پیس سمپوزیم کا انعقاد کرتی ہے جس میں عصر حاضر کے مسائل اور دنیا کی عمومی صورتحال کا جائزہ لیا جاتا ہے اور میں ان مسائل کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس تقریب کے عالمی سطح پر کیا اثرات مترتب ہوتے ہیں میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اس کا مجھے علم نہیں، تاہم قطع نظر اس سے کہ اس کا باقی دنیا پر کیا اثر ہے، ہم امن اور عدل کے قیام اور فروغ کے سلسلہ میں اپنی کوششوں کو جاری رکھیں گے اور مجھے یقین ہے کہ آپ سب بھی ہماری طرح دنیا میں حقیقی اور پائیدار امن کے قیام کے خواہشمند ہیں۔

یقیناً آپ سب بھی یہ خواہش رکھتے ہوں گے کہ آج کے اس دور میں دنیا کے امن اور سکون کو برباد کر دینے والی جنگوں اور تنازعات کا خاتمہ ہو جائے اور ایک ایسا پُرامن معاشرہ قائم ہو جائے جس میں تمام قومیں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے باہم مل جل کر امن کے ساتھ رہ سکیں۔ مگر یہ ایک انتہائی افسوسناک حقیقت ہے کہ بجائے اس کے کہ جنگوں اور تنازعات سے ہاتھ کھینچا جائے ہر سال اس کے برعکس ہی دیکھنے میں آرہا ہے۔ جہاں دشمنیاں شدت اختیار کر رہی ہیں اور جنگ کے نئے محاذ کھولے جا رہے ہیں وہاں پہلے سے موجود آپس کی عداوتیں بھی ختم ہوتی دکھائی نہیں دیتیں۔

اگرچہ ہم سب دنیا کے بگڑتے حالات سے واقف ہیں لیکن بہت سے لوگوں کو اس بات کا ادراک نہیں ہے کہ بعض ملکوں کے آپس کے تعلقات کس حد تک کشیدہ ہو چکے ہیں اور یہ کہ اس کشیدگی کے کتنے تباہ کن اثرات مترتب ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر Bloomberg Businessweek کے گزشتہ شمارہ میں ایک صحافی Peter Coy لکھتے ہیں:

''باوجود اس کے کہ دنیا میں اس وقت اتنے ایٹمی ہتھیار موجود ہیں جو چند گھنٹوں میں انسانی تہذیب کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے کافی ہیں یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ایٹمی جنگ کے اندیشے کی طرف دنیا کی توجہ بہت کم ہے... اب جبکہ امریکہ اور روس کے درمیان ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے اس جانب خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کی ایک نئی دَوڑ جنم لے رہی ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایک عام انسان اس سلسلہ میں کیا کر سکتا ہے تو ہتھیاروں کا عدم پھیلاؤ تو عوامی دباؤ کے نتیجہ میں ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ یعنی جب 'انسانیت' کی آواز کے سامنے اسلحہ کے تاجروں اور جنگ پر ہر وقت آمادہ دنیوی حکمرانوں کی آواز دب جائے۔''

مضمون نگار نے اپنے اس آرٹیکل میں Middlebury Institute of International Studies سے منسلک Nikolai Sokov کی طرف سے جاری کردہ ایک انتباہ کو بھی شامل کیا ہے:

'تمام علامات اس بات کی نشان دہی کر رہی ہیں کہ یورپین ممالک خطرناک حد تک ایٹمی ہتھیاروں اور روایتی جنگی ساز و سامان کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'

اس مضمون کے بقیہ حصہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ عالمی سطح پر ہتھیاروں کی ایک نئی دوڑ شروع ہو چکی ہے نیز یہ کہ ایٹمی جنگ کے خطرہ کی نوعیت کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

انڈیا اور پاکستان کے درمیان گزشتہ دنوں اچانک پیدا ہونے والی کشیدہ صورتحال دنیا کے سامنے ہے۔ یہ دونوں ممالک ایٹمی طاقتیں ہیں اور دونوں نے مختلف ممالک کے ساتھ ظاہری یا خفیہ اتحادی معاہدے کر رکھے ہیں جن کی وجہ سے ان کے درمیان ہونے والی کسی بھی جنگ کے ممکنہ نتائج بہت وسیع اور تباہ کن ہوں گے۔

میں بارہا اس امر کا اظہار کر چکا ہوں کہ کچھ ایٹمی طاقتوں کے سربراہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے لیے ہر وقت آمادہ نظر آتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شاید انہیں اس کے خوفناک نتائج کا ادراک نہیں۔ یہ ہتھیار نہ صرف ان ممالک کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی طاقت رکھتے ہیں جن کے خلاف یہ استعمال کیے جائیں بلکہ ان کا استعمال تو تمام دنیا کے امن اور سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ قومیں اور ان کے لیڈر اپنی توجہ صرف اپنے ملکی مفادات پر مرکوز رکھنے کی بجائے عالمی مفادات کو پیش نظر رکھیں۔ امن کے فروغ کے لیے دیگر ممالک اور گروہوں سے مذاکرات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ہر فریق کو برداشت کی روح کے ساتھ دنیا میں پائیدار امن کے فروغ جیسے مشترکہ مقصد کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

Spiegel Online کو دیے گئے ایک حالیہ انٹرویو میں جرمنی کے سابقہ وزیر خارجہ Sigmar Gabriel نے خبردار کیا ہے کہ دنیا موجودہ جغرافیائی سیاست کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خطرات کو نظر انداز کر رہی ہے۔ انہوں نے دنیا کے موجودہ حالات کا 1945ء اور 1989ء کے حالات سے موازنہ کرتے ہوئے کہا:

'دنیا کے حالات بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے ہیں..... مغرب مختلف گروہوں میں بٹ چکا ہے..... گزشتہ ستر سالوں کے دوران رونما ہونے والی ایک نمایاں تبدیلی یہ ہے کہ پہلے ہم امریکہ پر بطور ایک رہنما ملک اعتماد کر سکتے تھے۔ لیکن آج ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ جب یورپ کو اپنی خود مختاری کی جنگ درپیش ہے۔'

اسی طرح نیویارک ٹائمز کے ایک آرٹیکل میں روس کے سابق رہنما Mikhail Gorbachev نے بیان کیا کہ امریکہ اور روس کے درمیان حالیہ I.N.F.Treaty کے خاتمہ کے نتیجہ میں ایٹمی ہتھیاروں کی ایک نئی دوڑ شروع ہو چکی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

'ہتھیاروں کی ایک نئی کشمکش شروع ہو چکی ہے۔ I.N.F.Treaty کا خاتمہ دنیا میں زور پکڑنے والی عسکریت پسندی (militarisation) کے نتیجہ میں ہونے والا کوئی پہلا واقعہ نہیں۔ اس سے قبل 2002ء میں امریکہ اینٹی بیلسٹک میزائل کے معاہدہ سے پیچھے ہٹ گیا تھا اور اس سال ایران کے ساتھ کیے جانے والے نیوکلیئر (جوہری) ہتھیاروں کے معاہدہ کا ختم ہونا بھی اسی رجحان کا شاخسانہ ہے۔ عسکری اخراجات آسمانوں کو چھونے لگے ہیں اور روز بروز بڑھتے

چلے جا رہے ہیں۔'

ایٹمی جنگ کے خطرہ سے خبردار کرتے ہوئے گورباچوف لکھتے ہیں:

'ایسی جنگ کا کوئی فاتح نہیں ہو سکتا جو سب مل کر اپنے ہی خلاف لڑ رہے ہوں۔ بالخصوص اگر وہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال پر منتج ہو۔ اس امکان کو رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اندھا دھند ہتھیاروں کی دوڑ، بین الاقوامی تناؤ، بین الاقوامی سطح پر دشمنیاں اور عدم اعتماد کی فضا جلتی پر تیل کا کام کر رہی ہے۔'

لہٰذا ماہر تجزیہ کار اور سیاست دان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایٹمی جنگ اب کوئی بعید از قیاس بات نہیں بلکہ اس کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اگر ہم عصر حاضر کے چیدہ چیدہ مسائل کا سرسری جائزہ بھی لیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ دنیا تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ گزشتہ سال امریکہ نے بڑے اعتماد سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ شمالی کوریا کے ساتھ ایک تاریخی امن معاہدہ کرنے میں کامیاب ہونے والا ہے جبکہ اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ میں جاری تنازعات بھی شدت پکڑتے جا رہے ہیں۔ گزشتہ تقریباً ایک دہائی سے شام خونریزی کا شکار ہے اور ملک کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ خانہ جنگی اب خاتمہ کے قریب ہے، مگر گزشتہ دہائی میں سوائے لاکھوں لوگوں کے مرنے اور اس سے کہیں زیادہ افراد کے بے گھر ہو جانے کے اور کیا حاصل ہوا ہے؟ اس تمام کارروائی کا کوئی بھی مثبت نتیجہ نہیں نکلا اور اب بھی مستقبل غیر یقینی اور مخدوش ہے کیونکہ ایسے ممالک جن کے ذاتی مفادات شام کے مستقبل کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے درمیان تناؤ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک طرف روس اور ترکی کا اتحاد ہے تو دوسری طرف امریکہ اور سعودی عرب مل کر ایران پر دباؤ ڈال رہے ہیں اور اس پر مزید پابندیاں لگانے کی کوشش میں ہیں۔ سیاسی مبصرین اس بات کا کھلے عام اظہار کر رہے ہیں کہ ان ممالک کا مقصد صرف مشرق وسطیٰ پر اپنا تسلط قائم کرنا ہے۔

ایک اَور تشویشناک بات ترکی اور کرد اقوام کے درمیان بگڑتے ہوئے حالات ہیں جہاں کرد خود مختاری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

پس دنیا ایک ایسے برے دائرے میں الجھ چکی ہے جس میں ایک تنازعہ دوسرے تنازعہ کو جنم دے رہا ہے کیونکہ آپس کی دشمنیاں اور نفرتیں پہلے سے زیادہ گہری ہوتی جا رہی ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ مسائل ہمیں آخر کہاں تک لے جائیں گے اور اس کے کتنے خوفناک نتائج ظاہر ہوں گے۔ یہ سب کچھ تو میں نے نمونۃً بیان کیا ہے، ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے تشویشناک مسائل ہیں جن سے دنیا کے امن اور خوشحالی کو شدید خطرہ لاحق ہے۔

مثال کے طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ دہشت گرد گروپ 'داعش' اب اپنی تباہی کے دہانے پر ہے اور ان کی نام نہاد خلافت بھی دم توڑ چکی ہے۔ لیکن بعض ماہرین ابھی بھی خبردار کر رہے ہیں کہ گو کہ 'داعش' اپنے علاقائی تسلط کو کھو چکی ہے لیکن اس کے پُرتشدد نظریات میں زندگی کی رمق ابھی بھی باقی ہے اور اس کے جو ممبران بچ نکلے ہیں وہ دنیا میں پھیل رہے ہیں اور وہ کسی وقت بھی دوبارہ منظم ہو کر یورپ یا دوسرے مقامات پر حملے کر سکتے ہیں۔ مزید برآں مغربی دنیا کے سر پر 'قومیت پرستی' کا بھوت دوبارہ سوار ہو گیا ہے اور دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے شدّت پسند گروہ مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔

ان پارٹیوں کو بے شک سیاسی طور پر واضح اکثریت حاصل نہیں ہوئی لیکن پھر بھی جب تک معاشرے کی ہر سطح پر انصاف قائم نہ ہو جائے یہ پارٹیاں مقبولیت حاصل کرتی رہیں گی۔ ان کی مقبولیت کی ایک بہت بڑی اور بنیادی وجہ پناہ گزینوں کی تعداد میں اضافہ ہے جس سے لوگوں میں بے چینیاں جنم لے رہی ہیں اور یہ نظریہ جڑ پکڑ رہا ہے کہ ان ممالک کے اصل شہریوں کے وسائل بجائے اُن پر خرچ ہونے کے غیر ملکی پناہ گزینوں کی امداد پر خرچ کیے جا رہے ہیں۔ میں پہلے بھی اس موضوع پر تفصیل سے بات کر چکا ہوں اس لیے پرانی باتیں دہرانا نہیں چاہتا۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ **اگر قیامِ امن کے لیے حقیقی کوششیں کی جائیں اور تمام ملکوں کو ترقی حاصل کرنے میں مدد دی جائے تو لوگوں کی اپنے گھروں سے بھاگ کر باہر کے ملکوں میں داخل ہونے کی مجبوری اور خواہش خود بخود ماند پڑ جائے گی۔**

لوگ تو صرف یہی چاہتے ہیں کہ وہ اپنے خاندانوں کی کفالت کرنے کے قابل بن جائیں اور جب اس کے دروازے بھی ان پر بند کیے جائیں گے تو پھر بہتر زندگی کے حصول کے لیے یہ لوگ اپنے ملک چھوڑنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ پناہ گزینوں کے مسئلہ کا دیرپا حل یہی ہے کہ جنگ سے متاثرہ ممالک میں امن قائم کیا جائے اور وہاں پر مجبوری کی حالت میں خوف اور تنگ دستی کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور عوام کی مدد کی جائے تا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوں اور سکون کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

مختصراً یہ کہ مہاجرین یا سیاسی پناہ لینے والے جب اپنے ممالک کی سیاسی یا مذہبی صورتحال کی وجہ سے مغربی ممالک کا رُخ کرتے ہیں تو جہاں ان کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک ہونا چاہیے وہاں یہ بھی مدِنظر رہے کہ انہیں مہیا کی جانے والی امداد اور مراعات سے مقامی شہریوں کی سہولیات متأثر نہ ہوں۔

مہاجرین کی اس بات پر حوصلہ افزائی ہونی چاہیے کہ وہ جلد از جلد اپنے لیے ذریعۂ معاش تلاش کریں بجائے اس کے کہ لمبے عرصہ تک حکومت کی طرف سے احسان کے طور پر ملنے والے الاؤنس اور مراعات پر گزارا کرتے رہیں۔ انہیں خود بھی چاہیے کہ وہ محنت کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں اور معاشرے کی ترقی میں مثبت کردار ادا کریں ورنہ اگر انہیں مسلسل ٹیکس ادا کرنے والوں کے پیسہ سے امداد مہیا کی جاتی رہی تو اس سے لازماً شکوے جنم لیں گے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ معاشی اور اقتصادی محرومیاں معاشرے میں نفرت اور بے چینی پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ بعض گروہ اس بے چینی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مہاجرین کو یا کسی خاص مذہب کے ماننے والوں کو ملزم ٹھہراتے اور ان کے خلاف نفرت پھیلانے لگتے ہیں۔

پس یورپ میں یہ تاثر پیدا ہو چکا ہے کہ ایشیائی، افریقی اور بالخصوص مسلمان تارکینِ وطن معاشرے کے لیے خطرہ ہیں۔ امریکہ میں بھی لوگ مسلمانوں اور ہسپانوی لوگوں کے متعلق جو میکسیکو کے ذریعہ ان کے ملک میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں اسی قسم کے خدشات رکھتے ہیں۔ بہرحال میرا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ **اگر بڑی طاقتیں ذاتی مفادات کو پس پشت ڈالتے ہوئے مخلص ہو کر غریب ممالک کے اقتصادی حالات کو بہتر کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ساتھ ہمدردی اور عزت و احترام کا سلوک کریں تو اس قسم کے مسائل کبھی پیدا ہی نہ ہوں۔**

یہاں برطانیہ میں Brexit اور مستقبل میں برطانیہ کے یورپی یونین کے ساتھ تعلقات کے حوالہ سے صورتحال بہت زیادہ غیر یقینی ہے۔ 2012ء میں یورپین پارلیمنٹ میں مَیں نے اپنے خطاب میں اس موضوع پر کھل کر اظہارِ خیال کیا تھا اور کہا تھا کہ:

'آپ لوگوں کو ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرتے ہوئے اس اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ عوام الناس کے خدشات اور پریشانیاں ہر حال میں دور ہونی چاہئیں۔'

میں نے اُس وقت یہ بھی کہا تھا کہ یورپ کی مضبوطی اس کے متحد رہنے میں ہے۔ اس قسم کے اتحاد سے آپ کو نہ صرف یہاں یورپ میں فائدہ ہوگا بلکہ عالمی سطح پر بھی یہ اتحاد اس براعظم کی طاقت اور اثر و رسوخ کو قائم رکھنے کا ذریعہ بنے گا۔

سات سال قبل میں نے اپنی تقریر میں عوام الناس کے امیگریشن کے متعلق خدشات دور کرنے کی اہمیت اور یورپی یونین کے اتحاد کے فوائد پر بھی زور دیا تھا۔

تاہم لوگوں کے تحفظات پر پوری طرح توجہ نہیں دی گئی اس وجہ سے یورپ بھر میں لوگ یورپی یونین کی افادیت پر سوالات اُٹھانے لگ گئے۔ اس کی بدترین مثال Brexit ہے۔ بعض دیگر یورپین ممالک مثلاً اٹلی، سپین اور حتیٰ کہ جرمنی میں بھی قوم پرست پارٹیاں مقبولیت حاصل کر رہی ہیں اور سیاسی میدان میں نشستیں بھی جیت رہی ہیں۔ اس وجہ سے وہ یورپی یونین کو مزید کمزور کرنے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ امیگریشن مخالف ایجنڈے کو فروغ دے رہی ہیں۔

میرا خیال تھا کہ یورپ اپنے اتحاد کو مزید فروغ دے گا لیکن گزشتہ کچھ سالوں سے یہاں تفرقہ اور پھر اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی افراتفری غالب ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اس قسم کی بے چینیاں کیوں جنم لے رہی ہیں؟ **یہ بے چینیاں کچھ اقتصادی مسائل کی وجہ سے اور کچھ بعض حکومتوں کی عوام کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرنے میں ناکامی اور اپنے شہریوں کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔** میرا نقطہ نظر یہی ہے کہ **عالمی سطح پر باہمی تعاون دنیا کے حالات میں بہتری پیدا کرنے اور متحد رہنے کے لیے ایک مثبت کردار ادا کرتا ہے۔** اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے یورپی پارلیمنٹ میں مَیں نے یہ بھی کہا تھا:

اسلامی نقطۂ نظر کی رو سے ہمیں تمام دُنیا کو متحد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کرنسی کے اعتبار سے بھی ساری دنیا کو یکجا ہو جانا چاہیے۔ اسی طرح کاروبار اور تجارتی لحاظ سے بھی دنیا کو ایک ہو جانا چاہیے۔ پھر آزادانہ نقل و حرکت اور امیگریشن کے لحاظ سے بھی موزوں اور قابلِ عمل پالیسیاں بننی چاہئیں تا کہ ساری دنیا ایک ہو جائے۔'

چنانچہ اسلامی نقطہ نظر یہی ہے کہ اتحاد ہی قیامِ امن کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ متحد ہونے کی بجائے ہم لوگ تفرقہ کا شکار ہو رہے ہیں اور دنیا کے مشترکہ مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دے رہے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ اس قسم کی پالیسیاں آئندہ آنے والے وقتوں میں بلکہ اس وقت بھی دنیا کے امن و امان کو کمزور کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں امن کے قیام کا ایک بنیادی تقاضا یہ ہے کہ قومیں ایک دوسرے کے ساتھ عدل کا سلوک روا رکھیں۔

اگر بعض ممالک کو مسائل کا سامنا ہو تو دوسری قوموں کو چاہیے کہ وہ ان ممالک کی بے نفس ہو کر مدد کریں اور اپنے ذاتی مفادات کو پس پشت ڈال دیں۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں آتا ہے کہ اگر دو فریقوں کے درمیان جنگ یا اختلاف ہے تو دوسری قوموں کو چاہیے کہ وہ بغیر کسی ایک فریق کی طرفداری کرنے کے ثالثی کا کردار ادا کریں اور مسائل کا پُرامن حل تلاش کریں۔ ہاں، اگر ایک فریق ناانصافی پر قائم رہے اور پُرامن حل پر آمادہ نہ ہو تو پھر دوسری اقوام کو چاہیے کہ وہ ظالم قوم کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ جب ظلم کرنے والا فریق اپنی زیادتیوں سے باز آ جائے تو پھر ایسی صورت میں اسلام واضح طور پر حکم دیتا ہے کہ غیر منصفانہ پابندیاں لگا کر یا اس قوم کے وسائل کو لوٹ کر اس سے بدلہ ہرگز نہ لیا جائے۔

لیکن بعض ممالک کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جو جنگ سے متاثرہ قوموں کے علاقوں میں مداخلت کرتے ہیں یا امن کے نام پر ان پسماندہ ممالک کی امداد کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی مختلف بہانوں سے ان کے وسائل پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ طاقتور قومیں بجائے اپنی دولت اور وسائل پر مطمئن رہنے کے اپنی طاقت کے بل بوتے پر غریب ممالک کو اپنے زیرِ نگیں کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ اس بے چینی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بداثرات کی بنیادی وجہ، خواہ وہ مشرق ہو یا مغرب، معاشی ناانصافیاں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ قوموں اور ملکوں کے بیچ معاشی تفریق کو کم کرنے کے لیے ٹھوس کوششیں کی جائیں۔ پھر یہ کہ ہر قسم کی انتہا پسندی اور تعصب خواہ وہ مذہبی بنیاد پر ہو، یا نسلی یا کسی بھی قسم کا، اس کے خاتمہ کے لیے ہم سب کو مل کر کوشش کرنی چاہیے۔

جن ممالک کے بارہ میں یہ بات واضح ہے کہ وہاں کے لوگ

تکلیف میں ہیں اور ان کے رہنما ان کے حقوق کی حفاظت نہیں کر رہے وہاں امن کے قیام کے لیے قائم کی جانے والی عالمی تنظیموں بالخصوص اقوام متحدہ کو چاہیے کہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے امن پسند شہریوں کے حقوق کے تحفظ اور معاشرہ میں امن اور انصاف کے قیام کے لیے جائز اور مناسب دباؤ ڈالیں۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مسلمان ممالک تو خود کئی سال سے اختلافات اور عدم استحکام کا شکار ہیں تو پھر اسلام امن کے قیام کے حوالہ سے ہمیں کیا سکھا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان مسلمان ممالک کی یہ افسوسناک حالت اسلام کی حقیقی تعلیمات سے دور ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔

اسلامی طرز حکومت و قیادت کی اصل تصویر دیکھنے اور حقیقت جاننے کے لیے ہمیں بانی اسلام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے عہد مبارک پر نظر ڈالنی ہوگی۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آپؐ نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق مسلمان اور یہودی شہریوں کے باہم امن کے ساتھ اور آپس میں ہمدردی، رواداری اور مساوات کی روح کو قائم رکھتے ہوئے مل جل کر رہنے پر زور دیا گیا۔

یہ معاہدہ انسانی حقوق کی حفاظت اور منصفانہ طرز حکومت کا عظیم الشان منشور ثابت ہوا اور اس نے مدینہ میں مقیم مختلف اقوام کے درمیان امن کو یقینی بنایا۔ اس کی شرائط کے مطابق تمام لوگوں پر ،ان کے مذہب اور ان کی قومیت سے قطع نظر، ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا فرض تھا۔ مذہبی آزادی اور آزادئ ضمیر اس معاہدہ کی بنیادی اکائی تھی۔

اتحاد اس معاہدہ کی بنیاد تھا کیونکہ اس کے مطابق مدینہ پر حملہ کی صورت میں مسلمانوں اور یہودیوں کا متحد ہو کر مدینہ کا دفاع کرنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ ہر قوم کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ اپنے اندرونی معاملات کو اپنے اپنے عقائد اور رواج کے مطابق حل کریں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس معاہدہ کی ہر شرط پر پوری طرح کاربند رہے۔

مہاجرین کی حیثیت میں مسلمانوں نے اس نئے معاشرہ کی ترقی میں مثبت کردار ادا کیا اور مدینہ کے شہریوں کے حقوق کا خیال رکھا۔ چنانچہ یہ معاشرہ مختلف قوموں کے اتحاد اور ثقافتوں کی ہم آہنگی کی نہایت عمدہ مثال بنا۔ بیثاق مدینہ دراصل قرآنی تعلیمات کے اصولوں کے عین مطابق تھا مثلاً قرآن کریم میں سورت النحل کی آیت نمبر 91 میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

''یقیناً اللہ عدل کا اور احسان کا اور اقرباء پر کی جانے والی عطا کی طرح عطا کا حکم دیتا ہے.....''

پس قرآن کریم افراد اور اقوام کے ساتھ طرز معاشرت اور سلوک کے تین درجے پیش کرتا ہے۔

پہلا اور سب سے ادنیٰ درجہ عدل و انصاف کا ہے جس کے تحت قرآن کریم اس ضرورت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف اور رواداری کا سلوک کیا جائے۔ عدل و انصاف کے اس معیار کا ذکر قرآن کریم کی سورت النساء آیت نمبر 136 میں مذکور ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر گواہ بنتے ہوئے انصاف کو مضبوطی سے قائم کرنے والے بن جاؤ خواہ خود اپنے خلاف گواہی دینی پڑے یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف خواہ کوئی امیر ہو یا غریب دونوں کا اللہ ہی بہترین نگہبان ہے پس اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو مبادا عدل سے گریز کرو اور اگر تم نے گول مول بات کی یا پہلوتہی کر گئے تو یقیناً اللہ جو تم کرتے ہو اس سے بہت باخبر ہے۔''

پس قرآن کریم کے مطابق عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ایک آدمی گواہی دینے کو تیار رہے خواہ وہ اس کے اپنے خلاف ہو یا اس کے اقرباء کے خلاف تا کہ سچ کی فتح ہو۔

معاشرت کا دوسرا درجہ جو قرآن نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ **ایک آدمی نہ صرف عادل ہو بلکہ وہ اس سے بڑھ کر دوسروں کے ساتھ شفقت اور احسان کا سلوک روا رکھے۔** اس ضمن میں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں قرآن کریم یہ تعلیم دیتا ہے کہ جب تم ایک ظلم کرنے والی قوم کو ظلم سے روکنے میں کامیاب ہو جاؤ تو بدلہ نہ لو اور نہ اس پر مزید پابندیاں نافذ کرو۔

بلکہ تمہیں چاہیے کہ ان کی معیشت کو مضبوط کرنے اور بنیادی سہولیات کی فراہمی میں ان کی مدد کرو۔ جہاں یہ چیز انہیں فائدہ دے گی وہاں مستقبل میں تمہیں بھی فائدہ دے گی۔ **اگر وہ ممالک جو جنگ یا انتشار کا مرکز رہے ہیں معاشی طور پر مستحکم ہو جائیں تو نہ تو وہ مایوسی اور محرومی کے باعث دیگر ممالک سے نفرت کو اپنے اندر پنپنے دیں گے اور نہ ہی وہاں کے لوگ ہجرت پر مجبور ہوں گے۔**

یہ وہ حکمت ہے جو اس اسلامی تعلیم میں مضمر ہے کہ بنیادی عدل و انصاف فراہم کرنے کے بعد مزید احسان سے کام لیا جائے اور نرمی سے سلوک کیا جائے۔

طرز معاشرت کا تیسرا درجہ جو قرآن نے سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ **دوسروں سے ایسا ہی سلوک کیا جائے جیسا ماں اپنے بچوں سے طبعی محبت رکھنے کی وجہ سے کرتی ہے۔** یہ بے لوث محبت کسی بھی قسم کے انعام کی امید کے بغیر کی جاتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ ایک ماں کی محبت کی طرح بے لوث ہو کر احسان کی نیت سے سلوک کرنا آسان نہیں مگر یہ معیار ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے۔

الغرض امن کے قیام کے لیے خواہ وہ مسلم ممالک میں ہو یا بین الاقوامی سطح پر، یہ ضروری ہے کہ حکومتوں کی طرف سے کم از کم انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں تا کہ تمام لوگوں کو ان کے حقوق مساوی طور پر میسر آئیں اور ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عدل اور انصاف کو قائم رکھا جا سکے۔ مزید یہ کہ **بین الاقوامی ادارے جیسا کہ اقوام متحدہ ہے ہر ملک سے برابری کا سلوک رکھیں اور ایسا نہ ہو کہ معاملات کو طے کرنے میں کچھ طاقتوں کے مفادات کی خاطر ایک طرف مائل ہو جائیں۔** یہ امن کے حصول کے لیے ضروری ہے اور اسی پر عمل کر کے ہم دنیا میں امن کا قیام کر سکتے ہیں۔ یہ انسانیت کو خطرناک تباہی سے بچانے کا واحد راستہ ہے۔

ان چند الفاظ کے ساتھ، یہ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقی امن کو دنیا میں قائم فرمائے اور اللہ کرے کہ جنگ اور لڑائی کے مہیب سائے جو ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں امن اور خوشحالی کی روشنی میں بدل جائیں۔ میری دعا ہے کہ وہ مایوسیاں اور محرومیاں ختم ہو جائیں جن کے باعث ان گنت لوگ پریشانیوں سے دوچار ہیں اور جن کی وجہ سے دنیا تباہ کن جنگوں کی لپیٹ میں ہے۔

میری یہ بھی دعا ہے کہ بجائے دوسروں پر تسلط جمانے اور محض اپنے حقوق کا تحفظ کرنے کے ممالک اور ان کے سربراہان اُن فوائد پر نظر رکھنے والے ہوں جو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے حاصل ہوں گے۔ بجائے اس کے کہ دنیا کے مسائل کا ذمہ دار ایک مخصوص مذہب یا قوم کو قرار دیا جائے میری دعا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے عقائد اور رواج کے بارہ میں تحمل اور برداشت پیدا کریں اور معاشرہ میں موجود مختلف ثقافتوں اور اقدار کے امتزاج کی قدر اور ان کا احترام کریں۔ **میری دعا ہے کہ ہم انسانیت کی بہترین اقدار کی حفاظت کریں اور اپنے بچوں کے لیے ایک بہتر معاشرہ کی تعمیر میں ایک دوسرے کی خوبیوں اور ہنر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے امن کا گہوارا بنانے والے ہوں۔** ورنہ اس کے برعکس حالات جو پیدا ہو سکتے ہیں ان کا تو تصور بھی انتہائی تکلیف دہ ہے۔

قبل ازیں میں نے بہت سارے ماہرین کی آراء بیان کی ہیں جنہوں نے ایٹمی جنگ اور دنیا میں اسلحہ کی دوڑ کے بارہ میں خبردار کرتے ہوئے اپنے خدشات کا اظہار کیا ہے۔ **یہ مضامین اور ان جیسے اَور بہت سارے مضامین اس تجویز کو تقویت دیتے ہیں کہ دنیا بہت تیزی سے ایک بہت بڑی تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ایسی تباہی جو انسان نے پہلے کبھی نہیں دیکھی اور جس کو روکنا پھر ناممکن ہوگا۔**

ایک اندازہ کے مطابق ایٹمی جنگ کا اثر تو سے فیصد دنیا پر ہوگا۔ اور اگر ایٹمی جنگ ہوتی ہے تو ہم صرف موجودہ دنیا کی ہی تباہی کے ذمہ دار نہیں ہوں گے بلکہ اپنے پیچھے تباہی اور بربادی کے مستقل اثرات چھوڑیں گے۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم ٹھہر کر سوچیں اور اپنے فیصلوں اور کاموں کے ممکنہ ہولناک نتائج پر غور کریں۔

ہمیں کسی بھی معاملہ کو، خواہ وہ کسی ایک ملک سے تعلق رکھتا ہو یا بین الاقوامی نوعیت کا ہو، معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ چاہے ہم معاشی معاملات سے نمٹ رہے ہوں یا پناہ گزینوں کے مسائل کا حل تلاش کر رہے ہوں یا کوئی اور بحران زیر غور ہو ہمیں تحمل کے ساتھ کوشش کر کے ان رکاوٹوں کو ختم کرنا چاہیے جو ہمارے درمیان اختلافات پیدا کرتی ہیں۔ **ہمیں اپنی ساری طاقتیں اور قوتیں امن کے قیام میں صرف کرنی چاہئیں۔ ہمیں ہر جھگڑے کو پُرامن طریقے سے نمٹانا چاہیے، آپس میں بیٹھ کر بات چیت اور باہمی سمجھوتہ کے ذریعہ مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہیے اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی اور حفاظت کے ذریعہ امن کے قیام کو یقینی بنانا چاہیے۔**

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ان الفاظ کے ساتھ، میں آپ سب مہمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ آج یہاں تشریف لائے۔ آپ سب کا بہت شکریہ۔

(ترجمہ: ٹیم تراجم ادارہ الفضل انٹرنیشنل)